ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

محمد سلیم سرور
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، نمل، اسلام آباد۔
ڈاکٹر نادیہ اشرف
لیکچرار، شعبہ اردو، نمل، اسلام آباد۔

اردو ناول اور جنسیت: بیانیے کی تشکیل، تغیر اور ارتقاء

Muhammad Saleem Sarwar *
Ph.D Research Scholar, Urdu Department, NUML, Islamabad.
Dr Nadia Ashraf
Lecturer Urdu Department, NUML, Islamabad.
***Corresponding Author:** chandbhatti187@gmail.com

Sexuality and Urdu Novel: Formation, Transformation and Evolution of Narrative Discoirse

This article explores the evolution of sexuality in the Urdu novel, beginning with its conceptual meanings and interpretive dimensions within literary and cultural contexts. In early Urdu fiction, sexuality is expressed through symbolic and allusive modes, often mediated by the figure of the courtesan (tawaif), who embodies the intersection of art, desire, and commodified intimacy. In the twentieth century, sexual discourse gradually moves beyond the confines of the kotha into the lives of ordinary individuals, marking a significant shift in narrative representation. The latter half of the century witnesses further expansion under the influence of Western cultural paradigms, creating a dynamic interplay with Eastern traditions. Subsequently, sexuality enters a purposive phase, becoming a means of thematic and ideological expression. In contemporary Urdu fiction, it assumes the form of a socio-economic force, functioning as a kind of currency within structures of power, social relations, and material interests.

Key Words: *Urdu Novel, Sexuality, Evolution of Sexual Discourse, Narrative Transformation, Socio-cultural Context.*

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

یہ مطالعہ اردو ناول میں جنسی بیانیے کے ارتقاء اور جراتِ اظہار کا جائزہ لیتا ہے، اور اس کے تنقیدی، سماجی اور معاشی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ تحقیق میں یہ دیکھا گیا ہے کہ اردو ناول نگار روایت کی خاموشیوں اور سماجی ممنوعات کو چیلنج کرتے ہوئے جنسیت کو شناخت کی تشکیل، طاقت کے تعلقات اور معاشی ڈھانچوں کے ایک فعال میدان کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

اردو ناول کے تجزیے کے ذریعے یہ مطالعہ واضح کرتا ہے کہ جنسیت اب محض نجی یا اخلاقی مسئلہ نہیں بلکہ ایک سماجی، معاشی اور سیاسی بیانیہ بن چکی ہے، جو طاقت کے نظام، صنفی درجہ بندی اور مادی حالات سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ یہ تحقیق جنسی اظہار میں بڑھتی ہوئی جرات کو ادبی روایت شکنی کے ساتھ ساتھ سماجی تبدیلیوں، جیسے ثقافتی اقدار میں تبدیلی اور خواہشات کی تجارتی صورت کا عکس بھی قرار دیتی ہے۔ یہ مطالعہ اردو تنقید کے دائرے میں جنسی بیانیے کو معاشی اور سماجی تناظر میں پیش کر کے نئے تحقیقی امکانات فراہم کرتا ہے۔

جنس یعنی (Sex) عربی زبان کا لفظ ہے۔ اردو میں نر اور مادہ کے لیے مستعمل ہے۔ اس لفظ کے اگر اصطلاحی مفہوم پر غور کیا جائے تو اس میں وسعت موجود ہے۔ جنس کے لغوی معنی پر پہلے غور کرتے ہیں، ڈاکٹر جمیل جالبی "قومی انگریزی اردو ڈکشنری" میں یوں اس لفظ کی وضاحت کرتے ہیں:

> "جنس؛ نر و مادہ؛ نر اور مادے کے مابین امتیازات کا وہ حاصل جس سے ان کی تفریق ہوتی ہے؛ وہ کیفیت ذہنی و بدنی جو دونوں میں وجہ امتیاز ہوتی ہے؛ مرد اور عورت کی جنسوں میں کوئی ایک جن میں عضویے منقسم ہوتے ہیں خصوصاً تولیدی عمل میں ان کے نمایاں وظائف؛ جنسی کشش پر مبنی یا ان سے متعلق عامل قوتیں؛ جنسی تعلق اور جنسی عمل تولید سے متعلق / پر مبنی حرکات؛ مجامعت۔ (فعل متعدی) جنس شناسی کرنا (چوزوں وغیرہ کی)"[1]

لفظ "جنس" کا مادہ (Root) عربی زبان سے اردو میں آیا ہے۔ اردو زبان کی تمام لغات میں قریب قریب یکساں معنوں میں مستعمل ہے۔

' 'مادہ: ج-ن-س

لغوی معنی: نوع، قسم، اصل، نسل مثال: "جنسِ نر" اور "جنسِ مادہ" یعنی نوع یا صنف۔"

اسی طرح "فیروز الغات" اور "نسیم الغات" میں بھی لفظ Sex کے معنی جنس مراد لیے گئے ہیں البتہ انگریزی زبان کی ڈکشنریوں یہ لفظ وسیع تر مفہوم لیا گیا ہے۔ ویبسٹر ڈکشنری میں Sex سے مراد:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

"The character of being male or female all the attributes by which males and females are distinguished any thing connected with sexual gratification or preduction or the urge for these esp, the attraction of those of one sex for those of others."(2)

اس سے مراد یعنی مذکر اور مؤنث یا اس کے ذریعے سے دونوں میں پائی جانے والی خصوصیات اور ان تمام اوصاف کی بنا پر جن کا تعلق تولید یا جنسی آسودگی سے ہے، یا جن کی بنا پر دونوں میں تمیز کی جاتی ہے یا دونوں میں موجود جنسی کشش جو ان کو ایک دوسرے کی طرف راغب کرتی ہے۔ اسے جنس (سیکس) کہا جاتا ہے۔

تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو وہاں بھی جنسیت کی تعبیر مختلف ادوار میں بدلتی رہی ہے۔ قدیم مذاہب میں اسے صرف نسل کشی (procreation) کا ذریعہ سمجھا گیا، جب کہ کلیسائی دور میں جنسیت کو گناہ اور تہذیبی زوال کا محرک گردانا گیا۔ جدید دور میں، خصوصاً بیسویں صدی کے وسط کے بعد، جنسیت کو آزادی، خود اختیاری اور سماجی شناخت کے طور پر دیکھا جانے لگا۔ فیمنسٹ تھیوری نے جنسیت کو صرف فرد کی شناخت ہی نہیں بلکہ ایک سیاسی اور معاشی مسئلہ بھی قرار دیا، جو پدرسری نظام کے تحت عورت کے استحصال، محنت اور جسمانی کنٹرول سے جڑا ہے۔

جنسیت (Sexuality) انسانی وجود کا کثیر المعانی، پیچیدہ اور کثیر الابعاد پہلو ہے، جو صرف جنسی تعلق تک محدود نہیں بلکہ اس میں فرد کی جسمانی، جذباتی، نفسیاتی، ثقافتی اور سماجی شناخت بھی شامل ہوتی ہے۔ جنسیت انسان کے جذبات، خواہشات، تعلقات، رشتوں، اور خودی کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ یہ اس بات کا تعین بھی کرتی ہے کہ کوئی فرد اپنی شناخت کو کس طرح محسوس کرتا ہے اور دوسروں سے کس نوعیت کا تعلق قائم کرتا ہے۔ سعادت حسن منٹو اپنے افسانوی مجموعے "لذت سنگ" میں جنسیت کی ابتدا اور اسباب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "لیکن دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ یعنی تمام مسئلوں کا باپ اُس وقت پیدا ہوا تھا جب آدم نے بھوک محسوس کی تھی اور اس سے چھوٹا مگر دلچسپ مسئلہ اس وقت پردہء ظہور پر آیا تھا جب دنیا کے اس سب سے پہلے مرد کی دنیا کی سب سے پہلی عورت سے ملاقات ہوئی تھی۔ یہ دونو مسئلے جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ دو مختلف قسم کی بھوکیں ہیں جن کا آپس میں بہت گہرا تعلق

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس وقت جتنے معاشرتی، مجلسی، سیاسی، اور جنگی مسائل نظر آتے ہیں۔ان کے عقب میں یہی دو بھوکیں جلوہ گر ہیں۔"(۳)

منٹو نے ایک طرف اگرچہ عام اور روایتی بات کی ہے مگر دوسری بات اہم نکتے کا راستہ دکھایا ہے، جب دو مختلف بھوکوں کا آمنا سامنا ہوا تو نتائج گتھم گتھا ہونے کی صورت میں بر آمد ہوئے۔اس منفی اور مثبت کشش نے کبھی توحظ اور جنسیت کی فطری صورت 'تولید' تک خود کو محدود رکھا تھا مگر وقت گزرنے اور شعور کے تیز ہونے کے بعد سے یہ مقاربت تولید کے راستوں میں بھی رکاوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔اس کشش میں حظ بھی بہت پیچھے رہ چکا ہے اور مفادات شانہ بہ شانہ چل رہے ہیں۔ عصر حاضر میں اس بھوک نے جسموں سے آگے بڑھ کر مفادات سے ہاتھ ملالیا ہے۔ میل جسموں کا ہی نظر آتا ہے، کارفرمائیاں حظ اور تولد کے دائرے سے بہت آگے نکل چکی ہیں۔ اردو ناولوں میں جنسیت نہ صرف کرداروں کی شناخت متعین کرتی ہے بلکہ ان کی طبقاتی حیثیت، ان کے جذباتی و جسمانی استحصال، اور ان کے مزاحمتی رویّے کا بھی جواز فراہم کرتی ہے۔ بالخصوص عورت کی تولیدی صلاحیت کو قابو میں رکھنے کا عمل جسے مشل فوکو نے بائیوپاور تھیوری کے ذریعے واضح کیا ہے اور اسے سرمایہ دارانہ نظام میں محض "تولیدی مشین" کی حیثیت حاصل ہے، جو یہ سب جنسیت کے اقتصادی پہلو کو آشکار کرتا ہے۔

اردو ناول کا آغاز اگرچہ مولوی نذیر احمد کے ناولوں سے ہوا تھا تاہم جنسیت کے آثار پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ناولوں سے بر آمد ہونا شروع ہوئے۔پنڈت رتن ناتھ سرشار داستانوی اثر سے باہر نکل کر "سیر کہسار" جیسا اکہرے پلاٹ والا ناول لکھتے ہیں۔ جس میں نواب زادے کو اُس ماحول کے مطابق عیاشی کرتے ہوئے دکھایا گیا۔جیسا کہ فسانہ آزاد میں بھی تھا۔ آزاد ایک سے زیادہ مصاحبین کی صحبت میں رہتا ہے۔اسی طرح "سیر کہسار" میں نواب عسکری، آزاد سے آگے بڑھتے ہیں قمرن چوڑی بیچنے والی سے اپنا تعلق جوڑ لیتے ہیں، یہ تعلق بڑھتے بڑھتے معاشقے کی صورت اختیار کر جاتا ہے جہاں پر پنڈت رتن ناتھ سرشار جنسیت اور اقصادیت کے اکیسویں صدی جیسے تعلق کی عکاسی کرتے ہیں۔نواب عسکری صاحب، قمرن اور اُس کی ماں کو خوب پیسے کھلا کر قمرن کو اپنے ہاتھوں پر چڑھا لیتے ہیں۔ انیسویں صدی کی آخری دہائی کے آخری چند سالوں میں طوائف کے موضوع پر پے در پے تین ناول آئے ان تینوں ناولوں میں منشی سجاد حسین انجم (نشتر)، قاری سرفراز حسین (شاہدہ رعنا) اور مرزا ہادی رسوا (امراؤ جان ادا) طوائف کو مولوی نذیر احمد اور پنڈت رتن ناتھ سرشار کی طرح سگھڑ بیوی بنانے کی بجائے ایک

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

طوائف کی صورت میں دکھاتے ہیں۔ان ناولوں میں بھی طوائف نیکی اور بدی کے بیچ غوطہ زن رہتی ہے تاہم وہ اپنے دھندے کی وجہ سے حقیقت کے قریب معلوم ہوتی ہے۔یوسف سرمست لکھتے ہیں:

> ”اس کے برخلاف سجاد حسین انجم، قاری سرفراز حسین اور مرزا رسوا طوائف کو ایک دوسرے نقطہء نظر سے پیش کرتے ہیں۔نشتر کی طوائف محبت اوروفا کی دیوی نظر آتی ہے۔وہ جس سے محبت کرتی ہے اس کے لیے مر مٹتی ہے۔”شاہد رعنا“ (۱۸۹۷ء)کی ننھی جان اور ”امراؤ جان ادا“ کی ادا اگرچہ کہ صحیح معنوں میں طوائف رہتی ہیں اوراپنے ماحول کے تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں نیکی اور بدی کی کشمکش ہوتی رہتی ہے“۔(۴)

مرزا ہادی رسوا اپنے دور کو ایک مورخ کی نظر سے دیکھتے ہیں،ناول نگاری کے میدان میں واقعیت نگاری کے لیے یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ تاریخ کو ساتھ لے کر چلا جائے۔کیونکہ فیلڈنگ سے لے کر ٹھیکرے تک تمام ناول نگاروں نے اپنے ناولوں کو تاریخ ہی کہا ہے۔اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا ہادی رسوا بھی انگریزی کے ان بڑے ناول نگاروں کے ہم نوا ٹھہرتے ہیں۔انہوں نے صحیح اور سچے واقعات اور حقیقی مرد وزن کی طرف نظر رکھی ہے اوران کی زندگیوں کو بیان کرنا اپنا فن جانا ہے۔رسوا کی اس کھری اور کھردری تاریخی واقعیت کو دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ ناول کی زندگی کو تخیل سے محروم نہ کردیں مگر اس خوف سے نہ صرف وہ کامیابی سے نمٹیں ہیں بلکہ کمال درجے کی دلچسپی پیدا کرنے میں بھی کامیاب رہے ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز میں کچھ انیسویں صدی کے ناول نگار بھی لکھ رہے تھے ،وہ لکھنے والے شائد جان بوجھ کر حالات کے مطابق خود کو ڈھالنے سے گریزاں تھے یا ان کے قلم کا زور تہذیبی، مذہبی اور ثقافتی پند ونصائح سے آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ادب سماج کی تصویر کشی کیے بغیر نہیں رہ سکتا،اس لیے بیسویں صدی کے ادیبوں سے اس بات کی امید تھی کہ وہ کچھ ایسا لکھیں جس سے وقت کی تصویر بلیک اینڈ وائٹ سے آگے بڑھ کر کچھ رنگیں بھی دکھائی دے۔بیسویں صدی میں ربع اول کی دوسری دہائی میں کشن پرشاد کول کا ناول ”شاما“ رومانوی رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔”شاما“ ناول میں ہیروئن شیاما کی داستان سنائی گئی ہے جو پرکاش کی بیوی کی موجودگی میں بھی اس سے شادی کرلیتی ہے بیسویں صدی کا ادیب رومانویت کے سہارے طوائف کے ڈھکے چھپے اوراچھائی اور برائی کے درمیان

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈانواڈول کردار سے کھلے عام محبت کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ایسی محبت میں وہ اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور کو اپنا محبوب بنانا جائز سمجھتا ہے یا اس کی کوشش کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

بیسویں صدی کے ربع دوم میں برصغیر کے لوگوں کی جبلی خواہشیں جنھیں سماجی بندشیں، اخلاقی بندھن اور سماجی قاعدے منظر عام پر آنے سے روک رہے تھے یا ان کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے تو انہوں نے موقع پاکر رومانویت کا سہارا لیتے ہوا سر اٹھالیا۔یہ وہی جبلی خواہشیں ہیں جنھیں فرائیڈ نے 'اڈ' کا نام دیا تھا۔ان خواہشوں اور سماجی قاعدوں کے درمیان جو جنگ جاری تھی اسے کسی حد تک پریم چند نے "گوءدان" میں اور پریم چند سے کچھ آگے بڑھ کر منٹو نے اپنے اکلوتے ناول "بغیر عنوان کے" میں ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ان دونوں ادیبوں سے بڑھ کر عصمت چغتائی نے اپنے تاریخ ساز ناول "ٹیڑھی لکیر" میں کھل کر بیان کیا ہے۔انیسویں اور بیسویں صدی کے ربع اول میں اردو ناول میں طوائف کا تذکرہ ایک روایتی انداز میں ہوا ہے، قاضی عبدالغفار کے ہاں طوائف کی پیشکش قدرے مختلف اور جاندار کہی جائے گی۔اگرچہ اسی دور میں مجنوں گورکھپوری نے بھی مکتوب کی شکل میں "سراب" نامی ناول لکھا لیکن وہ قدرے دھیمی آواز کے ساتھ روایتی طوائف کی تصویر کرنے تک محدود رہے لیکن لیلی مظلوم و مجبور ہونے کے باوجود بدلے کی آنچ اپنے باطن میں چھپائے ہونے کے باوجود ایک مضبوط کردار ہے۔اس اختلاف کو ڈاکٹر محمد حسن یوں بیان کرتے ہیں:

> "عبدالغفار کے ہاں رومانوی طرز نگارش کا تمام سرمایہ اپنے پورے شباب پر ملتا ہے۔ان میں جذباتی وفور ہے اور خوبصورت اور شدید تاثرات۔زندگی سے بیزارگی اور بغاوت ہے"۔(۵)

عزیز احمد نے "گریز" میں داخلی اور خارجی کشمکش کو پیش کرنے کے لیے زندگی کے بے شمار پہلوؤں کو پیش کیا ہے جن میں جنس کا سہارا بھی لیا ہے، روحانی محبت کو بھی بیان کیا ہے، جنسیت کی ہوس اور پھر یہی ہوس روحانی محبت کے درجے پر کیسے پہنچتی ہے یہ نعیم اور ایلس کی زندگی سے خوب عیاں ہوتا ہے۔عزیز احمد کے ہاں جنسیت تو ہے ہی مگر یہ جنسیت وقت کے ساتھ اقتصادیت اور روحانیت کی بنیادوں پر اپنے رویے تبدیل کرتی رہتی ہے۔نعیم ایک وقت پر تو ایلس کے جسم کے لیے پل پل تڑپتا ہے مگر جب اس کو ایلس سے شادی کی امید جاگتی ہے تو نعیم کی جنسیت کی طلب خالص روحانی محبت میں بدل جاتی ہے:

> "اور وہ خواہش جو ایلس کی دوستی کے ساتھ ظہور میں آئی تھی ایلس کے جسم، ایلس کے کنوارے پن کو فتح کرنے کی خواہش اور اس کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔ایلس اب بھی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

کنواری تھی لیکن وہ احترام جو ایک عرصے سے آہستہ آہستہ نعیم کے دل میں پیدا ہو رہا تھا، اس ایک لحظہ میں جذبہ پرستش بن گیا۔ اس کی محبوبہ اس کی ہونے والی بیوی کسی سے یہاں تک کہ اس سے بھی آلودہ نہیں ہوئی"۔ (۶)

عزیز احمد کے بعد کرشن چندر کی ناول نگاری میں بیان ہونے والی رومانیت اور جنسیت کچھ لحاظ سے اپنے متقدمین سے مختلف ہے۔ کرشن چندر کے ناول "شکست" کی بات کریں تو موضوع کے لحاظ سے پرانی اور فرسودہ روایات پر ہی مبنی ہے اور اس میں ندرت کمیاب ہے۔ مگر اس ناول میں خاص بات یہ ہے کہ کرشن چندر نے جنسیت کو طوائف کے کوٹھے سے نکال راجپوت مردوں اور اچھوت عورتوں تک پہنچا دیا ہے۔ ممتاز مفتی نے جنسیت کی پیشکش کے معاملے میں نہایت محتاط مطلب علامتی اور اشاراتی انداز اپنانے کی کوشش کی ہے مگر کوشش کے باوجود بھی جنسیت کے بعض تصویری التزام سے بچ نہیں سکے۔ "علی پور کا ایلی" کو ممتاز مفتی کی آپ بیتی یا تخیلات کی وجہ سے نیم آپ بیتی کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ "علی پور کا ایلی" کا مرکزی کردار اپنے بچپن سے ہی نہ صرف اپنے باپ احمد علی کے جنسی افعال کو دیکھتا ہے بلکہ محرومی کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔ ایلی اپنے باپ کی پہلی بیوی میں سے پیدا ہوتا ہے جو اس کے سامنے ساری زندگی مظلومیت کا نشان بنی رہتی ہے۔

خان فضل الرحمن خان کا ناول "آفت کا ٹکڑا" انگریزی دور کے ہندوستان مطلب انگریز کی کالونی کی تصویر کھینچتا ہے۔ اس ناول کا علاقائی تناظر (کیسا پور) ہندوستانی سرزمین ہے اور اس کے کردار انگریز ہیں، رومنے گارٹ کا تعلق اگرچہ برطانیہ سے ہے مگر وہ یونانی النسل ہے، جرسی ٹاوی کا تعلق آئرلینڈ اور انگلینڈ کے درمیانے خطے سے ہے، روزبے خالصتاً یورپین ہے، فرینکو بشپ، ایریو گیپیو اور میلو ہیلاس کا تعلق کا اطالیہ سے ہے، بیولا شوفاں فرانسیسی ہیں ان کے علاوہ کچھ افریقی جیسے ایکٹریس، کچھ مقامی جیسے، برہمچاری، جگاں، گھمبری اور حکیم وغیرہ۔ ناول میں مغربی تہذیب کے پروردہ نوجوانوں کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے جس سے جنسیت کی بھوک اور من کے پوجاری اشخاص کی زندگی سے بہت سے پہلو سامنے آ گئے ہیں۔ جنسیت اور اقتصادیت کے تعلق کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ ناول ایک ہوس پرست شخص کی روپورتاژ لگتا ہے۔ ڈی ایچ لارنس کے بقول ناول نگار سے زیادہ کہانی پر یقین کرتے ہوئے ہم یہ دیکھتے ہیں یہ کردار جبلی ہے اور اپنی جبلت کو ہوس کی انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔

اکرام اللہ نے "گرگ شب" بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں لکھا۔ اس زمانے کے لحاظ سے اردو ناول میں جنسیت کے رجحان کا ایک نیا تجربہ پیش کیا تھا۔ اردو ناول کی تاریخ میں اس سے پہلے جنسیت کا ایسا تجربہ ناپید تھا

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

البتہ انگریزی لٹریچر میں یونانی "ایڈیپس کمپلیکس" اور جرمن ناول نگار ٹامس مان کا ناول "داہولی سنر" اس طرح کے جنسی تجربات کے روحِ مثل تھے۔ یونانی لٹریچر میں یہ جنسی تجربہ سگے رشتوں میں لاعلمی بنیادوں پر وجود میں آیا تھا مگر حقیقت کھلنے پر بیٹے کا ذہنی خلفشار موت کی صورت میں دور ہوا۔ "گرگ شب" میں اکرام اللہ نے ایک ایسے ہی جنسی تجربے کو پیش کیا ہے۔ ناول کے ہیرو شفیع کو ایک ایسے جنسی تعلق کی پیداوار بتایا گیا ہے جو کسی بھی سماج میں قابل قبول نہیں، شفیع پر جب یہ بات کھلتی ہے کہ وہ اپنے بڑھے بھائی کے سوتیلی ماں سے جنسی تعلق سے پیدا ہونے والا بچہ ہے تو وہ ناقابل برداشت درد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ امراؤ طارق نے معتوب ناول میں تامار کی کہانی میں کچھ ایسی فنکاری دکھائی ہے کہ جنسیت کے میدان میں ایک ہی عورت کے پردے میں کئی عورتیں چھپی ہوئی نظر آتی ہیں جو بوقت ضرورت کہانی کے منظر پر نمودار ہوتی ہیں۔

بیسویں صدی کے ناول کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے دی جاسکتی ہے کہ انیسویں صدی کے مقابلے میں بیسویں صدی کا ناول جنسیت کے میدان میں کچھ قدم نہ صرف آگے بڑھا ہے بلکہ میدان سے باہر قدم رکھنے کی طرف بھی مائل بہ کوشش نظر آتا ہے۔

اکیسویں صدی کے اردو ناول میں جنسی بیانیے کی جرات کا اظہار سابقہ دو صدیوں کے مقابلے میں مضبوط تر اور حقائق کے قریب تر نظر آتا ہے۔ انیس ناگی نے اپنے ناول "ناراض عورتیں" میں بے زار عورتوں اور جنسی طور پر کمزور مردوں کی نفسیات کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ مذکورہ ناول کی خواتین جنسی سطح پر اپنے مردوں سے ناخوش نظر آتی ہیں اور جنسی ناآسودگی کا حل تلاش کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

شمس الرحمن فاروقی کے ناول "کئی چاند تھے سرِ آسماں" میں مصنف نے تاریخی اور تہذیبی تناظر کو سامنے رکھ کر اپنے ناول میں جنسیت، معیشت اور مفادات کے کچھ ایسے نکات عطا کر دیے ہیں، جن کو سمجھنے اور دائرہ تحقیق و تنقید میں لانے سے مشروط جنسیت کے میدان میں ایک اضافہ ہوا ہے۔ ناول میں صرف جنسیت کو جسمانی تعلق یا ایک تہذیب کے باشندے کا دوسری تہذیب کے باشندے میں حلول کرنے کا عمل ہی نہیں بلکہ اس کے پس پردہ مفادات اور ضروریات کو بھی مطمع خاطر رکھا گیا ہے۔ وزیر خانم کے کردار کی تشکیل میں جس خاص تہذیب کو استعمال میں لایا گیا ہے اسی کے مطابق وزیر خانم کے گھر کا ماحول بھی دکھایا گیا ہے۔ جس میں بات چیت کی آسانی اور اپنے من کی بات کو زبان پر لانے میں قدغن نہیں مطلب وزیر خانم نے مارسٹن بلیک کے عشق کے بارے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

میں اپنے گھر میں بڑی بہن کو بتایا تو بہن نے بھی کسی پابندی یا قدغن کی طرف دھیان لانے کی بجائے مارسٹن بلیک کے معاشی حالات اور سماجی مقام پر بات کی۔

یونس جاوید کا ناول "کنجری کا پل" جس میں ظہرہ مشتاق نامی خاتون کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ ظہرہ مشتاق جس نے فیشن ڈیزائنگ سے گھر میں کام کا آغاز کیا اور اعلیٰ درجے کی طوائف کے مقام تک خود کو پہنچانے اور منوانے تک کا سفر کتنی خاموشی سے نہ صرف طے کر لیا بلکہ ساتھ ساتھ فیروزے اور صبازادی جیسی نوجوان لڑکیوں کو بھی اس دھندے میں ملوث کر لیا۔ مگر ان سب کے کرداروں کا تجزیہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کو یہاں تک پہنچانے میں کچھ لوگوں کے کردار اور معاشی اہمیت تھی۔ یونس جاوید نے مذکورہ ناول میں جنسیت کو موضوع کے طور پر خوب برتا ہے جہاں جنسیت کی ضرورت تھی وہاں جنسیت کو دکھایا ہے مگر جنسیت کو تلذذ یا چٹخارے کی چیز نہیں بننے دیا۔ ظہرہ مشتاق جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ پاکیزگی چاہنے والی یہ خاتون جب اپنی روحانی تذکیر کے لیے عطار بابا کا انتخاب کرتی ہے تو عطار بابا بھی اس پر عاشق ہو بیٹھتے ہیں، اس موقع پر ظہرہ مشتاق کے چند جملے سننے کے لائق ہیں:

> "حضرت۔۔۔ ظہرہ نے کڑے لہجے مگر نرم آواز میں کہا" آپ میرے مرشد بھی تو ہیں میرے لیے دیوتا اور ولی ہیں۔۔۔ میری نجات اور عاقبت کے امانت دار ہیں۔ ایسا مثالی رشتہ ہیں آپ، جو صرف آسمانوں پہ ہوتا ہے۔۔۔ میں اس مقدس رشتے کو توڑ کر۔۔۔ دنیاوی رشتے میں بندھ جاؤں جو اسفل اور ادنیٰ ہے کہ شہوت کی گھاٹیوں اور ہوس کے سراب کے سوا اس میں کچھ بھی نہیں۔۔۔ ایسا سوچتے ہوئے میں اپنی نگاہوں میں گرنے لگتی ہوں۔۔۔ ایک ایسا پاتال۔۔۔۔ جس کی کوئی تھاہ ہی نہیں۔۔۔ میں کیا کروں؟"۔(۷)

مشرقی سماج میں پیر کو عزت و تکریم کا مقام حاصل ہے اور کسی بھی پیر صاحب کے متعلق بظاہر ایسی بات کرنا مخرب اخلاق کے زمرے میں آتا ہے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ناول نگار نے حضرت عطار کی حقیقت کو لکھ کر عوام پر یہ واضح کر دیا ہے کہ ان میں سے کچھ ایسے نام نہاد پیر بھی ہیں جو نیکی کی طرف لے کر جانے کی بجائے نیکی کا راستہ دکھا کر لوگوں کو بدی کے کیچڑ میں دھکیل دیتے ہیں۔ یہ نام نہاد پیر طاقت ور، جاگیر دار، دولت مند اور صاحب منصب لوگوں کی طرح اپنے نیک دکھاوے کو استعمال کرتے ہیں۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

بعض ناولوں کی کہانیوں میں روایتی محبت اور جنسیت کے تذکرے مل جاتے ہیں جیسا کہ عاصم بٹ کے ناول "ناتمام" میں ڈاکٹر وقاص جو ایک شادی شدہ نوجوان ہے۔ اور صائمہ نوجوان لڑکی ہے، جو والد اور والدہ کی وفات کے بعد اکیلی گھر پر رہتی تھی مگر اس کے دل میں بے وفا وسیم کی محبت کا جہاں بستا تھا جو صائمہ کے صرف جسم کا بھوکا تھا۔ محبت کی پینگ ڈال کر اسے حاملہ کر کے فرار ہو گیا تھا۔ وسیم نے پھر کبھی صائمہ سے رابطہ تک نہیں کیا۔ صائمہ حالات سے تنگ آ کر ایک ہسپتال میں ملازمت کرتی ہے۔ ہسپتال میں ڈاکٹر وقاص جو ہسپتال کا مالک بھی ہے۔ صائمہ اسی کے ساتھ ہاسٹل میں رہتی ہے۔ ڈاکٹر وقاص کو صائمہ سے محبت ہو جاتی ہے اور پھر وہ اس محبت کو جسمانی تعلق تک پہنچانے سے پہلے صائمہ کو نکاح کی دعوت دیتا ہے:

> "میرے اور تمھارے بارے میں جو کچھ لوگ کہہ رہے ہیں، اس میں سارا قصور میرا ہے۔ میں نے شاید سب کچھ سمجھتے ہوئے بے احتیاطی کی۔ ایک فاصلہ رکھنا چاہیے تھا۔ تم غیر شادی شدہ ہو۔ کسی کا کیا ہے۔ ایسے ہی کسی بھی انگلی اٹھا دیتے ہیں۔ ساری زندگی کے لیے ایک داغ۔ میرے ساتھ تمھارا مستقبل محفوظ تو ہو گا لیکن شاید تم اسے کسی اور طرح سے دیکھتی ہو گی۔ دیکھنا بھی چاہیے۔ لیکن مجھے تمھاری عادت ہو گئی ہے، ایک تجویز ہے۔ ساتھ رہتے ہیں میری ساری ذمہ داری تو پہلے ہی لے چکی ہو۔ اس رشتے کو بس ایک نام دینا باقی ہے۔ تم سوچ لو۔ خواہش، ضرورت، محبت۔ جیسا بھی تم سوچو۔ لیکن کوئی مجبوری نہیں ہے۔ چاہو تو مانو، چاہو تو انکار کر دو"۔ (۸)

اس محبت میں بھی جنسیت موجود ہے مگر اس کو قانونی اور اخلاقی تحفظ حاصل ہے۔ اس کے بل بوتے پر افزائشِ نسل کا سلسلہ پروان چڑھتا ہے، خاندان بنتے ہیں اور معاشرے وجود پاتے ہیں۔ دو مخالف جنسوں میں جب اس طرح راہ راست کی محبت طلوع ہوتی ہے تو اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس جوڑے کے ارد گرد افراد کوشش کرتے ہیں اور ان کے راستوں میں موجود رکاوٹوں کو بھی دور کرتے ہیں۔ ایسی محبت اور اس کی تکمیلی صورت یعنی شادی کو مہذب معاشروں میں پسند کی شادی کا نام دیا جاتا ہے۔

طاہرہ اقبال نے اکیسویں صدی کے ناول میں مشرق کے ان طاقت ور جاگیرداروں کا نقشہ کھینچا ہے جو اپنی اپنی زمینوں پر کام کرنے والے مزارعوں کی خواتین، جوان لڑکیوں اور خوبصورت نوبالغوں کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں۔ بادشاہ کی طرح جاگیردار، سرمایہ دار اور مقتدر ہستیاں اپنے ماتحتوں کی حسیناؤں کو اپنے دام میں لانے کے لیے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

طرح طرح کے لالچ اور دام میں نہ آنے پر جان سے جانے کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ طاہرہ اقبال کے ناول ''نیلی بار'' میں اس طرح کی کئی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں جہاں مزارعوں کی چھوٹی معصوم بچیوں سے لے کر شادی شدہ عورتوں تک کو اپنی جاگیر سمجھا جاتا ہے۔ ایک مثال دیکھیے:

> ''میاں کی بانگ کے بعد رات کے پہلے ہی پہر میں اس کی چارپائی پڑوسن سگو اپنے سوتیلے بیٹوں سے اٹھوا کر اپنی جھگی میں لے گئی تھی۔ خود اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر کھڑی رہی تھی اور چاروں سوتیلوں کو باری باری اس پر چڑھایا تھا۔ اس بے خبر کی آنکھ تو اس وقت کھلی جب اس کا حلق گندی ٹاکیوں کے گولے سے وہ بھر چکی تھی اور سوتیلی کے حکم کی تعمیل میں چاروں لڑکے چارپائی کے گرد مؤدب کھڑے تھے۔۔۔۔ سب سے پہلے کاسو توبڑا ہے۔۔۔ ابو اب تو آ۔۔۔ صلو تو بعد میں۔۔۔ بنو آخر میں سب سے چھوٹا ہے۔۔۔''۔ (۹)

سگو، جاگیر دار کی دوسری بیوی ہے، جس کے شوہر عمر رسیدہ ہیں اور وہ جوان ہے تو اس کی حرکات کو دیکھتے ہوئے مزارع کی بیوی نے کہہ دیا کہ آپ کو کوئی جواں سال شوہر چاہیے تھا۔ اسی بات کو انا کا مسئلہ بنا کر اور وہ مزارع کی بیوی کو بھی اپنی جاگیر سمجھتے ہوئے اپنے سوتیلے بیٹوں سے تہس نہس کرواتی ہے۔ ''نیلی بار'' ناول کے اسی باب میں گونگی کا احوال بھی بیان کیا گیا ہے جو ابھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی تھی کہ کسی ہوس پرست نے رات سوتے میں اس کو لہولہان کر دیا اور کوئی اس کا پرسان حال نہیں۔ پرانے زمانے میں اگر ایک عورت کو شادی کے بعد پورے قبیلے یا گاؤں کی بیوی سمجھا جاتا تھا تو عصر حاضر میں جاگیر دار غریب مزارعوں کی خواتین کو اپنے سب مردوں کے لیے جائز سمجھتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں معاشرے کی زیادہ تر معیشت کا حصہ چند طبقوں کے پاس ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ معاشی اور جنسی استحصال کرتے ہیں۔ حفیظ خان کے ناول ''کرک ناتھ'' میں ایسے بہت سے مواقع دیکھنے میں آتے ہیں جہاں سرمایہ دار طبقہ ماتحت اور مجبور لوگوں کا استحصال کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ مذکورہ ناول میں مصنف ایک ایسے ہی لاابالی نوجوان کی تصویر کشی یوں کرتے ہیں:

> ''سردار محبوب بخش ایک ایسا لاابالی سا نوجوان تھا کہ جسے نام بدلنے، کام بدلنے، لڑکیاں بدلنے اور بھیس بدلنے جیسے کاموں کے علاوہ اور کسی کام کے لیے فرصت نہیں تھی۔ اگرچہ امیر قادر بخش کا اکلوتا بیٹا ہونا اس کے لیے لاٹری نکلنے جیسی خوش قسمتی تھی مگر اسے اس

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

خوش بختی میں اگر کوئی دلچسپی تھی تو بس اتنی تھی کہ وہ روٹی روزی کے مسائل سے ماورا ہو کر اپنے شوق پورے کر سکتا تھا"۔ (۱۰)

محمد حفیظ خان نے سرمایہ داری کے ایک بہت ہی خطرناک مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں سرمایہ داروں کے بچے اپنے شوق بھی ایسے رکھتے ہیں جنھیں مہذب معاشرے عیب گردانتے ہیں۔

محمد حفیظ خان کے ناول "حیدر گوٹھ کا بخشن" میں سی ایس ایس آفیسر صاحب زادہ سلطان احمد تونگر جو اپنے رعب و دبدبہ اور جمال کی وجہ سے اپنی پہچان رکھتے تھے۔ جنھوں نے اپنے عہدے کا استعمال کرتے ہوئے اپنی سیکرٹری سے لے کر نہ جانے کس کس نوجوان لڑکی اور دیگر لوگوں کی بیویوں کو ناجائز فائل سائن کرنے کے عوض گندہ کیا۔ اس بیوروکریٹ کو استعمال کرنے والا بھی ایک دلال تھا جو اس کے بستر پر طرح طرح کی لڑکیاں لاتا مگر خود ان افسروں، وزیروں اور اس بیوروکریٹ کی بیوی کو اپنے گھناؤنے مشن کا حصہ بنانے تک سے باز نہ رہا۔ اس کھیل میں ہر شخص خود کو دوسرے سے شاطر سمجھتا ہے اور دوسرے کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش میں مگن نظر آتا ہے حالانکہ وہ خود بھی شکار ہو چکا ہوتا ہے ایک مثال دیکھیے:

> "یہ آٹھ نو برس پرانی ویڈیو ہے، شاید تمھیں یاد ہو کہ تمھاری بیوی نے بھی لگ بھگ آٹھ نو برس قبل تم سے جسمانی دوری اختیار کر لی تھی، باس کے بعد بھلا تم کہاں اس کی نگاہوں میں جچتے تھے، الیاس کو بھی ناہید نے اُس وقت اپنے بستر کی راہ دکھائی کہ جب باس نے جھنڈی کرا دی، لیکن جب بھی باس کی فائلز، تمھاری ٹیبل پر جمع ہونے لگتیں تو وہ کبھی کبھار تمھاری بیوی پر مہربان ہو ہی جاتا اور پھر اس کے بدلے میں اُس کی سبھی فائلز جو کئی دنوں سے تمھاری ٹیبل پر پینڈنگ رکھی ہوتیں، اگلے دن ہی اُس کے دفتر واپس پہنچ جاتیں"۔ (۱۱)

مذکورہ بالا اقتباس یہ حقیقت کشا ہوتی ہے کہ عہدے کا گھمنڈ اور پیسے کی حرص انسان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی ہے۔ یہ آنکھوں کو اندھا کرنے کی بجائے مفاد کی عینک پہنا دیتی ہے اور انسان کو جو بھی نظر آتا ہے اس میں اپنا مفاد ہی نظر آتا ہے۔ ایک اعلیٰ افسر اگر اپنے عہدے کا استعمال جنسیت کے مترادفات اور مفادات کے ضمن میں کرتا ہے تو اسی کے گھر والے حتیٰ کہ اس کی بیوی بھی اس چال میں کوئی نہ کوئی مہرہ بن جاتے ہیں۔ یہی بیوروکریٹ آفیسر صاحب زادہ سلطان احمد تونگر اگر رحیم بخش جیسے ادنیٰ کونسلر کو وزارت تک پہنچاتا ہے تو اس کی بیگم کو اپنی بیٹی کی ماں بھی بنا دیتا ہے۔ بعد میں وہی عورت اللہ ڈنو عبید جیسے درندے کے ہاتھ لگ جاتی ہے۔ اللہ ڈنو عبید ایک دلال تھا

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

،جو لڑکیوں کے جسم سے ذاتی لذت سے زیادہ مادی مفادات پیوست کیے ہوئے تھا۔ جس کا کام دنیا کے دیگر ممالک خاص طور پر عرب ریاستوں میں لڑکیوں کی سپلائی کرنا،ان معصوم لڑکیوں کو سیکیورٹی کی نوکری کا جھانسا دے کر ان کے جسم فروش کر کے پیسہ کمارہا تھا۔اس دلال نے نہ صرف بینک بیلنس اور بنگلے بنا لیے تھے بلکہ ملک کے اعلیٰ بیوروکریٹ آفیسرز اور پولیس افسران سے تعلق بھی استوار کر لیے تھے۔ان افسران سے تعلق تو جسم سپلائی کے ضمن میں بنے تھے مگر ان آفیسروں کی بیگمات کو اپنے بستر پر لا کر ایک تکونی چین بنالی تھی۔دھندے کے علاوہ بھی ملکی اور غیر ملکی جتنے بھی بڑے بڑے ٹینڈر یا دیگر مفاد عامہ کے کام تھے ان سب کے ٹھیکے اسی اللہ ڈنو عبید کے ہاتھوں ہی جاتے تھے۔

اکیسویں صدی کی اردو ناول نگاری میں رحمن عباس نے اپنی ایک منفرد پہچان بنا رکھی ہے۔جنسیت کے حوالے سے ان کے ناولوں کا جائزہ لیا جائے تو جابجا ایسے واقعات نظر آتے ہیں جنھیں دیکھ کر ہم حقیقت کی تلاش کے متفکر اور متجسس ہو جاتے ہیں،ان کے ناولوں کو متنازعہ قرار دیا گیا اور ان پر مقدمے بھی چلے مگر جنسیت کے فریم میں لگی ہوئی یہ تصویری واقعات کے کسی خاص راز اور حقیقت کی شبیہ بنی ہوئی نظر آتی ہے۔رحمن عباس کے ناول"خدا کے سائے میں آنکھ مچولی"،"نخلستان کی تلاش"،"ایک ممنوعہ محبت کی کہانی"،"روحزن" اور"زندیق"۔مذکور تمام ناولوں میں جنسی واقعات موجود ہیں۔چاہے وہ"خدا کے سائے میں آنکھ مچولی" کا کردار عبدالسلام ہو،یا ایک ممنوعہ محبت کی کہانی کا عبدالعزیز ہو ان سب کی زندگیاں جنسیت کے مختلف واقعات کی نہ صرف کہانی بنی ہوئی ہیں بلکہ تصویر بھی پیش کرتی ہیں۔"روحزن" ناول کے نام کا تعارف سننے سے جنسی بیانیے کی جرات، حقیقت اور بہت سے راز کھل کر سامنے آجاتے ہیں:

> "مجامعت روحزن کا ایک آسان علاج ہے۔چور بازار میں عمر دراز شخص نے "کتاب الحکمت بین الآفاق" سے ایک مختصر جملے کو بہ آواز بلند ادا کیا۔پھر وضاحت کرتے ہوئے اس نے صوفی صورت آدمی سے کہا کہ والدین میں سے کسی ایک یا دونوں کی کسی اور سے جنسی وابستگی کو اگر بچہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے،تو یہ منظر اس کی روح کو پر حزن کر دیتا ہے۔یہ حزن روح میں چھید کر دیتا ہے۔چھید کا رقبہ وقت کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔یہ خالی رقبہ اپنے خالی پن کے سبب روح کا ایک مرض بن جاتا ہے۔اس مرض کا آزمودہ اور آسان علاج انبساط جماع ہے۔"(۱۲)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

روحانی سکون کے لیے جسموں کا ادل بدل یہ سب کا سب ممبئی کی نوجوان نسل کے ماحول کا خاصا ہے۔ ممبئی میں اگر اسرار پیسہ کمانے آتا ہے تو محمد علی اپنی روح کے زخموں کو مندمل کرنے کے لیے اس کا انتخاب کرتا ہے۔ شانتی اپنی ماں کا ہمسائے سے جنسی تعلق قائم کرنا اور پھر زلزلے میں دونوں کی موت، اس کے بعد شانتی کا ماموں اشوک شانتی کو بغیر نکاح کے استعمال کر کے ممبئی میں آکر جسم فروشی پر مجبور کرتا ہے۔ یہ وہ کردار ہیں جو اپنی روح کے داغوں کو جسمانی تلذز سے دور کرنے کے لیے ممبئی کا انتخاب کرتے ہیں۔

اصغر ندیم سید کا ناول "ٹوٹی ہوئی طناب ادھر" ملتان کے لوکیل اور پاکستان کی آزادی سے لے کر عصر حاضر تک کے واقعات کو ایک خاص تناظر میں سمیٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ تاریخی اور تہذیبی حوالے سے اس شہر سے واقفیت اور مقبولیت سے عالمی سطح کی حامل ہے۔ اس ناول کا جنسیت کے تناظر میں جائزہ لیا جائے تو اس میں جنسیت کو عورت کی طرف سے مرد پر ایک حملے کی صورت میں دکھایا گیا ہے۔ جنسی رویوں میں ایک منفرد یا نیا رویہ نہیں مگر اس کی پیش کش میں اصغر ندیم سید نے انفرادیت ضرور رکھ دی ہے۔ یہ انفرادیت اس گہرائی تک جا پہنچتی ہے کہ مرد صرف عورت کے جسم اور اپنے جذبات کو دیکھتا ہے مگر عورت ایک ہی نظر میں مرد کی چھپی ہوئی تمام حسوں کو پڑھ لیتی ہے۔ اس سے مراد ہے جہاں سے مرد کی حدود ختم ہوتی ہیں وہاں سے عورت شروع ہوتی ہے۔ ناول میں عورتوں کو باغی، شریف، گھریلو۔ پڑھی لکھی، کاروباری اور پروفیشنل ہر قسم کی دکھایا گیا ہے مگر جنسیت کے معاملے میں سب کے مکالمے یکساں ہی دکھائی دیتے ہیں۔ مذکورہ ناول میں جنسیت کے کھیل میں عورت مرد پر پہلا حملہ اور فتح کی آواز بن کر ابھری ہے۔ شانو گھریلو خاتون ضرور ہے مگر اس کے لیے امام بخش کچھ بھی نہیں صرف جسم گندہ کرنے والا دوسرا گاہک:

> "وہ یہاں شانو رہتی ہے؟" "ہاں کون ہو تم؟" "میں بلابانولی۔۔وہ ایک لڑکا ہے۔" "پیسے بتادیے" "ہاں دوروپے اس سے لے لینا"۔ "پہلی دفعہ والا دفادور رہے یا۔۔"۔ "پہلی دفعہ آیا ہے ذرا گھبرا رہا ہے۔ خیال رکھنا۔" "ہاں بیٹا بنا کے گود لے لوں گی۔ بھیج دے۔ سب ہی ایسے لاتے ہو جو مجھے گندہ کر کے چلے جاتے ہیں۔ ویسے بھی نلکے میں پانی زور لگانے سے آتا ہے۔"(۱۳)

شانو بچوں کی مصروفیت سے نکل کر دوروپے کے عوض اپنا جسم پیش کرتی ہے اور صرف جسم ہی پیش کرتی ہے۔ صرف جسم سے مراد پیسے کے عوض کوئی ایسی چیز دی ہے جو جذبات سے خالی اور سامنے والے کے لیے لذت سے خالی، بس خریدا ہوا ماس۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

ماخذ تحقیقی مجلہ

کاشف رضا سید کا ناول "چادر ویش اور ایک کچھوا" اسلوب کے حوالے سے اپنی پہچان آپ ہے، ناقدین نے بہت کچھ لکھا بھی ہے۔ مگر ہم اس ناول پر بات جنسیت کے حوالے سے کریں گے۔ اس ناول میں آفتاب، جاوید، بالا، اقبال محمد خان اور کچھوا یہ کردار ہیں۔ ان کرداروں میں جنسی طلب ضرور ہے مگر وہ اس کو عملی صورت دینے سے عاجز نظر آتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ شاید یہ کردار نفسیاتی طور پر بیمار ہیں یا پھر علامت پرستوں کی طرح فریق ثانی کو دیکھ کر، اس کی اشیا، لباس اور بدنی اعضا کی جھلک دیکھ کر محظوظ تو ہوتے ہیں مگر جنسیت کے عمل کو پایہء تکمیل تک پہنچانے سے قاصر ہیں۔ مذکورہ ناول میں جاوید بھی ایک ایسا ہی کردار ہے۔

> "وہ حتمی جنسی عمل سے پیشتر کے مراحل میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا، حتمی جنسی عمل کے مواقع کی عدم دستیابی کے سبب تھا، لیکن یہ بھی حقیقت کہ وہ عورتوں اندوزی کی کیفیت کا اختتام بھی عام نوجوانوں کی طرح نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا طریقہ یہ تھا کہ رگوں کو انتہائی حد تک جوش دلا کر ان کا تناؤ خود ہی ختم ہونے کا انتظار کیا کرتا تھا۔ اپنے اس کھیل میں وہ کچھوے کو بھی شامل کر لیتا"۔ (۱۴)

ایک سو چھپن برس پر مشتمل اردو ناول کی روایت کا تفصیلاً جائزہ لینا بہت مشکل مرحلہ ہے اور ان میں سے جنسیت کے حامل ناولوں کا سرسری جائزہ لینا قدرے کم مشکل کام تھا جو اپنی بساط کے مطابق کیا گیا اور ان میں جنسیت اور اقتصادیت کے تعلق کی کچھ گرہیں بھی کشا کرنے کی کوشش کی گئی۔ مذکورہ بالا ناولوں کے تجزیے سے یہ بات یہ واضح ہوتی ہے کہ اردو ناول میں جنسی بیانیہ رفتہ رفتہ ارتقاء پذیر ہوا۔ آغاز میں جنس کو یا تو نظر انداز کیا گیا یا اس کی پیش کش سطحی یا استعاراتی رہی، ہندوستانی تہذیب میں طوائف کا نام اور مقام شاید کافی قدیم ہے تاہم اردو ناول میں پہلے پہل لکھنوی تہذیب کے تناظر میں دکھا کر کسی حد تک اس کے جسم پر لگے ہوئے داغوں کو خریداروں کے میلے جاموں سے مشابہ قرار دیا گیا۔ مرزا ہادی رسوا، قاضی عبدالغفار اور دیگر مصنفین کی کوشش سے ثابت ہوا کہ جسے زمانہ دھندا کہتا ہے اس دھندے کے لیے سامان بھی یہی سماج مہیا کر رہا ہے اور پھر یہی سماج خریدار کا بھی مناسب بندوبست کر رہا ہے۔ جبکہ معیشت کو سماجی ساخت کا ایک جزو تو سمجھا گیا مگر جنسیت کے ساتھ اس کا تعلق ناپختہ اور مبہم رہا۔ اس بیانیے کی تشکیل و تطہیر میں ترقی پسند تحریک نے بھی اہم کردار ادا کیا، مگر وہاں بھی جنسیت محض سماجی و سیاسی جبر کی علامت بن کر رہ گئی، نظریاتی یا نفسیاتی تناظر میں اس کی گنجائش نہ نکل سکی۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-2

اسی تناظر میں معاصر اردو ناول نگاروں نے، خاص طور پر اکیسویں صدی کے آغاز میں شمس الرحمن فاروقی نے انیسویں صدی کے تناظر کو موضوع بنا کر جنسیت اور معیشت کے خاص تعلق کو چھیڑا، پھر دوسری دہائی سے، جنسیت کو محض "تذکرہء بدن" نہیں بلکہ ایک سیاسی، نفسیاتی اور معاشی محرک کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس بحث میں ہندوستانی ناول نگار رحمن عباس نے پے در پے جنسیت کے حامل ناول لکھ کر بہت سے نکات کو واضح کیا، ادھر پاکستان میں محمد حفیظ خان، یونس جاوید، عاصم بٹ اور رفاقت حیات کے ناولوں میں واضح طور پر جنسیت اور معیشت کے تعلق کو ایک ساتھ دیکھنے اور سمجھنے کی گنجائش موجود ہے۔ تو ان ناولوں میں نہ صرف جنسی شناخت متنوع اور پر پیچ نظر آتی ہے، بلکہ یہ شناخت معیشت، طبقہ، طاقت، مذہب اور ریاستی بیانیے سے بھی براہ راست ٹکراتی ہوئی نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، 1991ء، ص1816

۲۔ websters dictionary,England,world publishing company,1986,p.1305

۳۔ سعادت حسن منٹو، لذت سنگ، نیا ادارہ، لاہور، ۱۹۴۴ء، ص۱۱۵

۴۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، نیشنل بک ڈپو، حیدرآباد، ۱۹۷۳ء، ص ۴۰

۵۔ محمد حسن، ڈاکٹر، اردو ادب میں رومانوی تحریک، تنویر پریس، لکھنو، ۱۹۵۵ء، ص۵۶

۶۔ عزیز احمد، گریز، ص۱۲۱

۷۔ یونس جاوید، کنجری کا پل، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۱۶۷

۸۔ محمد عاصم بٹ، ناتمام، سنگ میل پبلی کیشنز، لاور، ۲۰۱۴ء ص ۱۰۴

۹۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء ص۲۲۷۔۲۲۸

۱۰۔ محمد حفیظ خان، کرک ناتھ، بک کارنر، ۲۰۲۰ جہلم ء، ص۳۲۶

۱۱۔ محمد حفیظ خان، حیدر گوٹھ کا بخشن، بک کارنر، جہلم، ۲۰۱۷ء، ص ۳۴۳

۱۲۔ رحمن عباس، روحزن، عکس پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۳۴۰

۱۳۔ اصغر ندیم سید، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۹ء، ص۲۱

۱۴۔ کاشف رضا سید، چار درویش اور ایک کچھوا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۲ء، ص ۵۴